ڈاکٹر رفیعُ الدّین مرحُوم و مغفور

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

ایک بلند پایہ فلسفی و مفکّر، ایک باخلوص اور درد مند انسان اور ایک سچّے مسلمان کی یہ تیسری برسی ہے۔ جی میں تھا کہ اس موقع پر بہت کچھ لکھوں، لیکن طبیعت کی ناسازی آڑے آ رہی ہے۔ بہرکیف یادوں کے سرمایہ میں سے جو کچھ میرے پاس محفوظ ہے، اس میں سے کچھ نہ کچھ پیش کرنے کی سعی کروں گا۔ اجڑی محفلوں کی خوشبُو اور بجھی شمع کا نُور میرے ماحول کے دھندلکوں میں اب بھی باقی ہے۔ اور محسُوس یہ کرتا ہوں کہ اس خوشبُو اور نُور کا وجود تاحینِ حیات باقی رہے گا۔ ڈاکٹر محمد رفیعُ الدّین مرحُوم کے انتقال کو بے شک تین برس گذر گئے ہیں لیکن ان کی ناگہانی اور حادثاتی موت سے جو صدمہ مجھے پہنچا تھا اس کے زخم اب بھی تازہ ہیں یہ تو خیر ذاتی احساسات و تعلقات کی بات تھی لیکن ان کی موت سے علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہُوا ہے وہ اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ محسوس ہو رہا ہے۔ نہ جانے چمن زارِ حیات میں کب کوئی محمّد رفیع الدّین مرحوم جیسا دیدہ ور پیدا ہو گا جو جیبستانِ حیات کی گتھّیاں سُلجھا سکے۔ ڈاکٹر مرحُوم و مغفور حکمتِ اقبال کے رازداں اور اقبال کی فلسفیانہ وراثت کے امین تھے۔ علامہ اقبالؒ کے بعد اگر کسی شخص نے اقبالؒ کے فکر کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کیا ہے تو وہ ڈاکٹر رفیعُ الدّین مرحوم ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اقبال کی فکری روایت کو منطق و فلسفہ کی زبان دے کر مرحوم نے آگے بڑھایا ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ میرے خیال میں اقبالؒ کے فلسفہ کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹر محمد رفیعُ الدّین مرحوم کی تصنیف "حکمتِ اقبال" سے بڑھ کر کوئی کتاب مفید نہیں۔ اقبالؒ کے فلسفہ کو جو شعروں کی صورت میں اِدھر اُدھر بکھرا ہُوا ہے ڈاکٹر مرحُوم نے بہت آسان، شستہ اور صاف اُردو نثر میں بڑے منطقی اور منظّم طریقے سے پیش کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اقبالؒ کے فلسفے کی رُوح کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

ڈاکٹر مرحوم ایک بااصُول آدمی تھے۔ مذہبی لحاظ سے وہ ایک متشدّد قسم کے انسان تھے اور اسلام کے خلاف ذراسی بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے سامنے زندگی کا ایک خاص نصب العین

منتخب کر رکھا اور یہ تھا توحید خالص اور خدا کی وحدانیت کے عقیدہ کی نشر و اشاعت۔ مَیں اُن سے جب بھی ملا اُن کی گفتگو کے موضوعات بس تین تھے، پاکستان، اسلام اور اقبالؒ۔ بحث اور کلام کا سلسلہ خواہ اقبالؒ سے شروع ہوتا یا پاکستان سے، بات اسی ابدی حقیقت یعنی اسلام پر آ کر ٹھہرتی۔ اسلام اور اقبالؒ سے انہیں دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے ملک کے مسلمانوں کے دلوں میں اگر اسلام کی محبت کا جذبہ باقی ہے تو اس میں یقیناً اقبالؒ کا "سوزِ دروں" شامل ہے۔ نیز یہ کہ اقبال کی نوائے شوق نے ہی ہمارے اندر آزاد قوم کی حیثیت سے اُبھرنے کا جذبہ بیدار کیا۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی شاید غیر ضروری نہیں ہو گا کہ علامہ اقبالؒ کے جو خواب تھے وہی ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی امیدیں تھیں۔ منزل دونوں مردانِ قلندر کی ایک تھی لیکن منزل تک رسائی کا طریقہ قدرے مختلف تھا۔ ڈاکٹر اقبالؒ اگر مسلمان قوم کو اپنے اسلاف کی عظمتِ پارینہ یاد دلا کر اور اسے صداقت، عدالت اور شجاعت کا درس دیکر ساری دنیا کی امامت کا سزاوار بنانا چاہتے تھے تو ڈاکٹر محمد رفیعُ الدّین مرحوم بھی موجودہ سائنسی علوم (جن کی بدولت مغرب کو مشرق پر بالادستی حاصل ہے) کی مادیّت کو فنا کر کے ان علوم کے قالب میں اسلامی روح پھونکنے کے لیے بے تاب تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح مسلمان ایک تو مادّی لحاظ سے طاقتور اور غالب قوم بن جائیں گے اور دوسرے وہ اپنے مذہب کی حقانیت کو سائنسی اور منطقی طور پر مادہ پرست اقوام سے زیادہ بہتر طریقے سے منوا سکیں گے، اور اس طرح اسلام کو جو دینِ فطرت ہے ایک بار پھر چار دانگِ عالم میں جاری و ساری کیا جا سکے گا۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے وہ سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا کرتے تھے کہ مروّجہ سائنسی علُوم کو مشرّف بہ اسلام کیا جائے۔ موجودہ سائنسی علوم نے چونکہ مغرب کے مادّہ پرست ماحول میں پرورش پائی ہے اس لیے ان پر مادیّت کی چھاپ اس قدر گہری ہے کہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے والا، خدا تو کیا خود اپنے وجود کا بھی سُراغ نہیں پا سکا۔ سائنسی علوم کو مسلمان کرنے کے مقصد میں اُن کا عشق اور ان کی لگن ان کو ہمیشہ سیماب پا رکھتی تھی۔ علمی زندگی کے آغاز سے لے کر موت تک ان کی تمام تصانیف اور تحریروں کا محور و مرکز اسلام اور قومی تصوّر کی اشاعت رہا۔ "مستقبل کا نظریۂ حیات" ہو یا "پاکستان کا مستقبل"، "اسلام کا نظریۂ تعلیم" ہو یا "تعلیم کے اوّلین اصول" ان کی ہر تصنیف ان کے مذہب سے والہانہ لگاؤ کی روشن دلیل ہے۔

قومی و ملّی احیاء کے لیے وہ سب سے زیادہ ضروری یہ خیال کرتے تھے کہ سارے کے سارے نصاب تعلیم کی اسلامی خطوط پر از سرِ نو تدوین کی جائے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے فوراً بعد یعنی ۱۹۲۹ء سے ۱۹۴۷ء

تک وہ تعلیم و تدریس کے شعبے سے منسلک رہے اور غالباً اسی تدریسی تجربہ کی بدولت انھیں ابلاغ و اظہار میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ ان کے تدریسی تجربہ نے انہیں اپنا ایک خاص تعلیمی فلسفہ وضع کرنے میں بڑی مدد دی۔ ان کے تعلیمی فلسفہ کی اساس خدا کی وحدانیت پر ہے۔ وہ نصابِ تعلیم میں اسلامی روح کو سمونے کا عزم رکھتے تھے اور اس سلسلے میں ان کے سامنے ایک وسیع اور جامع پروگرام تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے آل پاکستان ایجوکیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی۔ اس کانگرس کے دوسرے اعلیٰ و ارفع مقاصد کے علاوہ ایک مقصد یہ تھا کہ اس کے تحت اعلیٰ سطح پر ایک یونیورسٹی (THE HOLY QURAN UNIVERSITY OF SCIENCES) کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں سائنس کے طلباء کی اسلامی خطوط پر تعلیم کا انتظام ہو۔ اس یونیورسٹی کا ماحول بہت پاکیزہ ہو اور اس کا معیار دنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں کے برابر ہو۔ علاوہ ازیں وہ ایک ایسے ادارے کے قیام کا بھی ارادہ رکھتے تھے جو ایسے مسلمان علماء پر مشتمل ہو جو طالب علموں کے لیے نصابی کتب مرتب کر سکیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے جس قدر وسائل کی ضرورت ہوتی ہے وہ ایک تنہا آدمی کی استطاعت سے باہر ہیں۔ ہماری قوم کا رویہ یہ ہے کہ یہ زندہ لوگوں کی ناقدر شناسی کے لیے مشہور ہے۔ یہاں بھی نتیجہ یہی نکلا کہ اس مردِ درویش کی آواز پر لبیک کہنے والے چپ سادھے رہے اور یہ مردِ درویش بہ صد حسرت و حرماں ہم سے اتنی دور چلا گیا جہاں سے آج تک کوئی لوٹ کر نہیں آیا۔ کاش قوم آج بھی ان کے مرتب کردہ پروگراموں کی اہمیت کو سمجھے اور اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تیار ہو جائے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا، ڈاکٹر مرحوم کا خیال تھا کہ عقیدۂ توحید کی نشر و اشاعت کے لیے موجودہ سائنسی علوم مثلاً طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات کے اندر اس عقیدہ کو سمو دیا جائے۔ ان کے نزدیک اب یہی واحد راستہ ہے جسے اختیار کرنے کے بعد مسلمان دوسری اقوام کو اپنے دین کی برتری اور عظمت کا قائل کر سکتے ہیں اور اس عقیدہ کی پیروی پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی راستہ ایسا نہیں جو ملتِ اسلامیہ کو نشاۃِ ثانیہ کی طرف لے جائے اور انہیں غالب قوت بنا سکے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ڈاکٹر مرحوم جہاد اور ملک کے دفاع کے لیے جنگی تیاریوں کی ضرورت کے قائل نہ تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ جنگ دو محاذوں پر لڑی جاتی ہے اور اس کے ہتھیار بھی دو طرح کے ہیں۔ ایک ہتھیار وہ آلاتِ حرب ہیں جو ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اور دوسرے ہتھیار وہ ہیں جن کے ذریعے کوئی قوم اپنی فکری سرحدوں کی